﴿ الْغَوْا فِيْهِ ﴾ کا معنی ہے: شور کرنا، تالیاں اور سیٹیاں بجانا، چیخ چیخ کر باتیں کرنا، تاکہ تلاوت قرآن کی آواز سے سمع خراشی نہ ہو۔ اور دلوں میں قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت اور معنوی بلندیاں نورِ ہدایت کی کرنیں روشن نہ کرسکیں۔

[تفسیر احسن البیان ص: ٦٢٧]

[٣] دعا میں بھی آواز زیادہ بلند نہیں کرنا چاہیے

اللہ جل جلالہ نے قرآن مجید میں دعا کرنے کے آداب بھی بیان فرمائے ہیں۔☆ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ ادْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَّ خُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴾ "اپنے پروردگار کو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارا کرو، بے شک وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا"۔ [الاعراف / ٥٥]

دعا ہمیشہ انکساری اور خشوع کے ساتھ ہونا چاہیے، اسی لیے دعا میں اخفاء مستحب ہے، کیونکہ یہ حصول اخلاص کے قریب تر ہے۔ [اشرف الحواشی ص: ١٨٩] اور اعتداء (حدود شرع سے تجاوز) کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ دعا میں آواز اس حد تک بلند کی جائے کہ دوسرے شخص کی عبادت و ریاضت یا تلاوت وغیرہ میں خلل واقع ہونے لگے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ لوگ بلند آواز سے دعا اور ذکر الٰہی کرنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لوگو! اپنے تئیں آرام دو کیونکہ تم کسی گونگے یا بہرے کو نہیں پکار رہے ہو، بلکہ تم جس ذات کو پکار رہے ہو، وہ خوب سننے والا بھی ہے اور قریب ہے"۔ [متفق علیہ، بخاری کتاب الدعوات، مسلم کتاب الذکر، باب استحباب خفض الصوت بالذکر]

جب اللہ جل جلالہ کو عبادت اور دعا کے لیے پکارنے میں بھی بلند آواز نکالنے کو شریعت پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتی، تو دنیاوی معاملات کی باتیں بالاولیٰ ممنوع ہوں گی۔ اور جائز قسم کی دنیاوی باتیں مسجد میں منع ہیں تو غیبت، چغلی، جھگڑا فساد اور ان سب سے بڑھ کر غیر اللہ کو پکارنا اسلامی شریعت میں کس قدر حرام ہوگا !!

(جاری ہے)

☆ آدابِ دعا سے آگاہی کے لیے ملاحظہ کیجیے: التراث شمارہ: (٧) میں "آداب دعا اور دعائے قنوت" قسط: (١)

خواتین اور ان کی ذمہ داریاں

اُم نعمان حمیدہ عبدالرشید

اسلام نے جہاں عورت کو اونچا مقام دے کر معزز اور محترم بنایا ہے، وہاں انہیں اپنے مقام ومنزلت کے مطابق بہت ساری ذمہ داریاں بھی سونپی ہیں، اگر بنات آدم ان سونپی گئی ذمہ داریوں کو بطریق احسن انجام دیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمارا معاشرہ بہتر اور مثالی نہ بنے۔

اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ معاشرے کی اصلاح خواتین ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ کیونکہ ماں کی گود نونہالوں کا سب سے پہلا مدرسہ ہے۔ ابتدائی اور بنیادی تعلیم یہیں سے شروع ہوتی ہے، جو بقول حکماء پتھر پر لکیر ثابت ہوتی ہے "العلم فی الصغر کالنقش بالحجر"۔ یہ ذمہ داریاں اس وقت ادا ہوسکتی ہیں، جب بنات آدم ان کو اپنی ذمہ داری سمجھیں۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہمارے معاشرے میں اکثر مائیں تعلیم و آگہی سے نابلد ہیں، یا اگر تعلیم یافتہ ہیں تو اسلامی تعلیمات سے دور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے بچے جوان ہو کر غیر مسلموں کے مقلد بن جاتے ہیں۔ اور ان کے رہن سہن کو بہتر سمجھ کر انکی نقالی میں کوشاں رہتے ہیں، نت نئے فیشن کو ترقی کا راز سمجھتے ہیں اور اسلامی تعلیمات کو ترقی کی راہ میں کانٹے تصور کرتے ہیں۔ میری ان باتوں کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہم اپنے بچوں کو دنیاوی علوم وفنون سے آراستہ نہ کریں صرف دینی علوم پر لگا دیں، بلکہ میں یہ کہتی ہوں کہ دنیاوی علوم وفنون بھی نہایت ضروری ہیں، تاکہ مسلم امت ہمارے اسلاف کی کھوئی ہوئی حکمت ودانائی کو پھر سے حاصل کرکے ملک وقوم کو ترقی کی راہ پر گامزن کریں اور غیر مسلموں کے غلام نہ بنیں۔ میرا مقصد یہ ہے کہ ان علوم وفنون کے ساتھ ساتھ قرآن وحدیث کے صاف وشفاف چشمے سے بھی اپنے بچوں کے قلوب واذہان کی آبیاری کریں، تاکہ ملک وقوم کے ساتھ ساتھ اسلام کا بھی نام روشن ہو اور انسانیت کو پھلنے پھولنے کا موقعہ ملے۔ کیونکہ آج کل غیر مسلم قوتیں اسلام کو بدنام کرنے کی سرتوڑ کوششیں کر رہی ہیں اور ہم خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہے ہیں، اگر غیر مسلم قوموں نے ترقی کی ہے، تو انہوں نے کون سا تیر مارا ہے؟! ہمارے ہی اسلاف کی دولت علم وفن سے رہنمائی حاصل کی ہے۔

آج ہمیں پھر تازہ دم ہو کر اور عزم صمیم سے آراستہ ہو کر اپنے قدم پر کھڑے ہونے کی ضرورت ہے، تاکہ ہم غیروں کی غلامی سے نجات حاصل کرسکیں۔ اسکے لیے ہماری بنیادی ضرورت یہ ہے کہ ہم مسلم مائیں بیٹے اور بیٹی دونوں کو یکساں نعمت الٰہی سمجھ کر ان کی تعلیم وتربیت پر سارا زور لگا دیں، تاکہ اب بھی جابر بن حیان، ابوبکر رازی، ابن الہیثم علی بن عیسی، حسین بن

اسحاق اورضیاء بن بطار جیسے بڑے بڑے سائنسدان اور اطباء پیدا کرسکیں۔

یہ بات صحیح ہے کہ یہ بڑے بڑے سائنسدان مرد تھے لیکن ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ ان کے کارناموں کا سہرا ان ماؤں کے سر ہے، جنھوں نے ان کو جنا اور ان کی پرورش کے ساتھ تعلیم وتربیت کا بندوبست کر کے ان کو صحیح سمت پر ڈال دیا۔

تاریخ گواہ ہے کہ دنیا میں کسی بھی قوم نے ترقی کی ہے اور معاشرے کو سدھارنے اور اس کی اصلاح کی کامیاب کوشش کی ہے تو اس میں ان عظیم ماؤں کا بنیادی کردار ہے، جنہوں نے اپنے فرزندوں کی تعلیم وتربیت میں مشکل اور کٹھن مراحل کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔

میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ عظیم لوگ پیدا کرنے کیلئے جہاں بچوں کی تعلیم وتربیت کا انتظام انتہائی ناگزیر ہے، وہاں بچیوں کی تعلیم وتربیت کا انتظام بھی کچھ کم ضروری نہیں۔ تاکہ ہماری بچیاں جو مستقبل کی مائیں ہیں، اسلامی اصولوں اور امور خانہ داری کے اصول وقواعد اور تربیت اولاد جیسے اہم فریضہ کو سیکھ کر ہمارے معاشرے کی اصلاح کر کے اسے بام عروج تک پہنچا سکیں۔

بعض حضرات بچیوں کی پیدائش کو اپنی توہین سمجھتے ہیں اور بچیوں کی آمد پر ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے۔ اور بعض بدنصیب تو صاف الفاظ میں ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ لوگ اپنے رب کے ناشکرے اور تقدیر الٰہی کے باغی ہیں، اور دور جاہلیت کو پھر سے زندہ کرنے والے ہیں۔ ایسے لوگوں کا نقشہ قرآن یوں کھینچتا ہے: ﴿ وإذا بشر أحدهم بالأنثى ظل وجهه مسودا وهو كظيم ۞ يتوارى من القوم من سوء ما بشر به، أيمسكه على هون أم يدسه في التراب ألا سآء ما يحكمون ۞﴾ [النحل ٥٨ - ٥٩] ترجمہ: "اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی ہونے کی خوش خبری دی جاتی ہے، تو اس کا چہرہ کالا ہو جاتا ہے اور وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے، لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ اس بری خبر کے بعد کسی کو کیا منہ دکھائے گا، سوچتا ہے کہ ذلت کے ساتھ بیٹی کو لیے رکھے یا مٹی میں دبا دے۔ خبردار! کیا ہی برا فیصلہ ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں"۔

ہمیں دور جاہلیت کے اس مشرکانہ اخلاق اور کافرانہ ذہنیت کا بھرپور مقابلہ کر کے اس کی حوصلہ شکنی کرنا چاہیے کیونکہ جو ذات بابرکت بیٹی دیتی ہے، وہی بیٹا بھی دیتی ہے، دونوں ایک ہی ذاتِ واحد کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اپنی مرضی سے مصلحت انسانی کے پیش نظر اولاد عطا کرتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ﴿ لله ملك السموت والأرض يخلق